The Contemporary Urdu Novel “Natamam”: Manifestations of Social and Cultural Transformations A Research Study

معاصر اُردو ناول ”ناتمام“ میں سماجی و ثقافتی تغیرات کے مظاہر: ایک تحقیقی مطالعہ

Khalid Tofeeq *1
Ph.D Research scholar, Department Of Urdu, NUML, Islamabad
Dr. Samina Siddiqui*2
Assistant Professor, Department Of Urdu, NUML, Islamabad

خالد توفیق☆1
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد
ڈاکٹر ثمینہ صدیقی☆2
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد

Correspondance: tofeeq.sadiqi241@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 01-05-2026
Accepted:27-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: The contemporary Urdu novel “Natamam” by Muhammad Asim Butt presents a profound portrayal of the social and cultural transformations that characterize modern urban society. The novel explores the gradual transition from traditional social structures to modern modes of living and highlights the psychological, emotional, and existential consequences of this shift. Through its complex characters and multilayered narrative, Natamam depicts the weakening of familial and social bonds, the rise of individualism, and the erosion of collective identity in contemporary society.This study examines the manifestations of social and cultural transformations in the novel with particular focus on urban alienation, loneliness, identity crisis, and the changing moral and social values of the middle class. The research argues that the novel not only reflects the fragmented realities of modern life but also reveals the inner conflicts of educated urban

individuals who struggle to find meaning, belonging, and stability in a rapidly changing social environment. By analyzing these dimensions, the study demonstrates how Natamam serves as a significant literary representation of the tensions between tradition and modernity in contemporary Pakistani society.

KEYWORDS: Natamam, Social Transformation, Cultural Change, Urban Life, Individualism, Identity Crisis.

اردو ناول اپنے عہد کے سماجی، ثقافتی اور فکری رجحانات کی ترجمانی کرنے والی ایک اہم ادبی صنف ہے۔ ہر دور کا ناول اپنے معاشرے میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں، انسانی رویّوں، اقدار اور تعلقات کی نئی صورتوں کو اپنے اندر سمولیتا ہے۔ اکیسویں صدی کے معاصر اردو ناول میں بھی ایسے متعدد موضوعات نمایاں ہوئے ہیں جو بدلتے ہوئے معاشرتی ڈھانچوں، شہری زندگی کے مسائل، شناختی بحران اور انسانی رشتوں کی شکست وریخت سے متعلق ہیں۔ محمد عاصم بٹ کا ناول "ناتمام" اسی سلسلے کی ایک اہم تخلیق ہے جو جدید شہری زندگی کے پیچیدہ تجربات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نفسیاتی و سماجی مسائل کو فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

جدید معاشرے میں روایت سے جدیدیت کی طرف منتقلی نے انسانی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے۔ خاندانی نظام، سماجی تعلقات، اجتماعی اقدار اور ثقافتی شناختیں تیزی سے تغیر پذیر ہوئی ہیں۔ اس تبدیلی نے جہاں فرد کو اظہارِ ذات اور شخصی آزادی کے نئے امکانات فراہم کیے ہیں، وہیں تنہائی، اجنبیت، لاتعلقی اور وجودی بے معنویت جیسے مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔ بالخصوص شہری متوسط طبقہ اس تبدیلی کے اثرات کو شدید طور پر محسوس کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک طرف روایتی اقدار سے وابستہ رہنا چاہتا ہے اور دوسری طرف جدید طرزِ زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں فرد کی شناخت، اس کے تعلقات اور اس کی نفسیاتی ساخت متعدد بحرانوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں ناول "ناتمام" کا مطالعہ سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ناول میں بدلتے ہوئے سماجی رویّے، خاندانی بندھنوں کی کمزوری، فردیت کے فروغ، شہری زندگی کی بے حسی، اخلاقی اقدار کی تبدیلی اور تعلیم یافتہ متوسط طبقے کے فکری و وجودی مسائل کس انداز میں منعکس ہوئے ہیں۔ یہ مطالعہ اس امر کو بھی واضح کرنے کی کوشش کرے گا کہ ناتمام محض چند افراد کی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی

داخلی تصویر ہے جو روایت اور جدیدیت کے درمیان معلق ہو کر نئی سماجی و ثقافتی شناختوں کی تشکیل کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔

محمد عاصم بٹ کا ناول ناتمام 2014ء میں شائع ہوا اور معاصر اردو فکشن میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ ناول بظاہر ایک متوسط و نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی لڑکی صائمہ کی زندگی کے گرد تشکیل پاتا ہے، لیکن اپنے باطن میں یہ جدید شہری معاشرے کی پیچیدگیوں، معاشی ناہمواری، انسانی رشتوں کی شکست و ریخت اور سماجی اقدار کی تبدیلی کا گہرا بیانیہ ہے۔ مصنف نے روایت اور جدید زندگی کے باہمی تصادم کو ایک ایسی عورت کی زندگی کے ذریعے پیش کیا ہے جو معاشی مجبوریوں، جذباتی محرومیوں اور سماجی دباؤ کے درمیان اپنی شناخت قائم رکھنے کی جدوجہد کرتی ہے۔

ناول کا آغاز ایک ایسے گھرانے سے ہوتا ہے جو کفالت کرنے والے فرد کی ناگہانی موت کے بعد شدید معاشی اور نفسیاتی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ والد کی وفات کے بعد گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور خاندان کی خواتین زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ غربت، بیماری، معاشرتی دباؤ اور خاندانی ذمہ داریاں اس گھرانے کے روزمرہ تجربات کا حصہ بن جاتی ہیں۔ بڑی بہن کی ناکام ازدواجی زندگی، اولاد نہ ہونے کے باعث اس پر ہونے والے مظالم اور بالآخر اس کی گھر واپسی، ان سماجی رویّوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو عورت کی قدر و منزلت کو اس کی تولیدی صلاحیت سے وابستہ کر دیتے ہیں۔

صائمہ کی زندگی کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر معاشی ضرورت کے تحت عملی زندگی میں قدم رکھتی ہے۔ اسی دوران وہ جذباتی وابستگی اور محبت کے ایک ایسے تجربے سے گزرتی ہے جو بالآخر سماجی رسوائی، جسمانی استحصال اور ذہنی اذیت کا سبب بنتا ہے۔ وسیم کے ساتھ اس کا تعلق نہ صرف نوجوان نسل کی جذباتی بے سمتی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ جدید شہری معاشرے میں محبت، اعتماد اور ذمہ داری کے تصورات کس طرح بحران کا شکار ہو چکے ہیں۔ بعد ازاں نرسنگ کے شعبے سے وابستگی اور ڈاکٹر وقاص کے ساتھ تعلقات اس کی زندگی کو ایک نئے رخ پر لے جاتے ہیں، مگر یہاں بھی اسے استحکام، تحفظ اور شناخت میسر نہیں آتی۔ ناول کا اختتام صائمہ کی المناک خودکشی پر ہوتا ہے، جو محض ایک فرد کی موت نہیں بلکہ ایسے سماجی اور ثقافتی نظام پر سوالیہ نشان ہے جو اپنے کمزور اور محروم افراد کو زندگی کا بامعنی راستہ فراہم کرنے میں ناکام دکھائی دیتا ہے۔

ناول ناتمام کا بنیادی وصف یہ ہے کہ یہ فرد کی نجی زندگی کو وسیع تر سماجی اور ثقافتی تناظر سے جوڑ کر دیکھتا ہے۔ صائمہ اور اس کے خاندان کی داستان دراصل ایسے معاشرے کی عکاسی کرتی ہے جو روایتی خاندانی ڈھانچوں اور اجتماعی اقدار سے دور ہو کر ایک نئی مگر غیر مستحکم سماجی صورتِ حال میں داخل ہو رہا ہے۔ ناول میں معاشی عدم تحفظ، خاندانی رشتوں کی کمزوری،

عورت کی سماجی حیثیت، جذباتی تنہائی اور شناختی بحران جیسے مسائل بار بار سامنے آتے ہیں۔ یہی عناصر سماجی و ثقافتی تغیرات کی اُن جہتوں کو واضح کرتے ہیں جنہوں نے جدید شہری زندگی کو پہلے کی نسبت زیادہ پیچیدہ، غیر یقینی اور انفرادی بنا دیا ہے۔

صائمہ کا کردار بالخصوص اس تبدیلی کا نمائندہ ہے جس میں فرد روایتی سماجی نگرانی اور خاندانی تحفظ سے بتدریج محروم ہوتا جاتا ہے۔ محبت، شادی، خاندان اور سماجی وقار جیسے تصورات اپنی سابقہ معنویت کھو دیتے ہیں اور ان کی جگہ غیر یقینی، تنہائی اور بے معنویت کے احساسات جنم لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ناول صرف ایک عورت کی ذاتی المیہ داستان نہیں بلکہ معاصر شہری معاشرے میں رونما ہونے والے سماجی و ثقافتی تغیرات کا علامتی بیانیہ بن جاتا ہے۔

"ودبخود اس کا بایاں ہاتھ لڑکی کے شانے پر جاٹکا جو نم آلود تھااوراس کے ہاتھ نیچے کپکپارہا تھا۔ یہ لمس تھا کہ کوئی منتر جس نے لڑکی کو کیل دیا اور جیسے اسے بالکل بے بس کر دیا لڑکے کی خواہش کی قوت کے آگے۔ اس منتر کا اثر وسیم پر بھی ہوا اور وہ ہولے سے لڑکی سے آلگا۔۔۔۔کچھ دیر بعد سیڑھیاں چڑھ کر دونوں صائمہ کے کمرے میں چلے گئے۔ کئی دنوں سے موسم ابر آلود تھا۔ لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی۔ جتھوں کی صورت میں کھڑے بادل جیسے کسی اشارے کے منتظر تھے۔۔۔ایسی تیزی سے پان برسا کہ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ باہر بھی اوراندر بھی۔ سہ پہر کو باجی سکول سے لوٹیں اور نیچے صحن میں کھڑاک ہوا تو دونوں چونکے۔" (۱)

درج بالا اقتباس محض صائمہ اور وسیم کے درمیان جذباتی و جسمانی قربت کا منظر نہیں بلکہ معاصر شہری معاشرے میں بدلتے ہوئے سماجی اور ثقافتی رویّوں کی ایک علامتی تصویر بھی ہے۔ ناول نگار نے بارش، بادلوں اور موسم کی کیفیت کو استعارتی انداز میں استعمال کرتے ہوئے نوجوان نسل کی جذباتی بے سمتی اور خواہشات کے بے قابو بہاؤ کو نمایاں کیا ہے۔ روایتی معاشرے میں خاندانی نگرانی، سماجی اقدار اور اخلاقی ضابطے فرد کے رویّوں کو ایک حد تک منظم رکھتے تھے، لیکن جدید شہری زندگی میں ان بندھنوں کی کمزوری نے نوجوانوں کو ایسے فیصلوں کی طرف مائل کیا ہے جو اکثر جذباتی وابستگی اور وقتی خواہشات کے زیرِ اثر کیے جاتے ہیں۔ صائمہ اور وسیم کا تعلق بھی اسی سماجی صورتِ حال کی نمائندگی کرتا ہے جہاں جذباتی تعلق ذمہ داری اور سماجی شعور کے بجائے انفرادی خواہش کے تابع ہو جاتا ہے:

"روزانہ رات عشاء کے بعد صائمہ اسے گھر سے نکلنے میں مدد کرتی۔ ہر روز جدا ہوتے ہوئے اگلے دن کے لیے بہت سی تشنگی دلوں میں باقی رہ جاتی۔ ہر

نیا دن نئے وعدوں اور نئی آشاؤں کے ساتھ طلوع ہوتا۔ نئی لذتوں اور نئی تشنگیوں کے اپنے جلو میں لیے ہوئے۔ ہمیشہ ساتھ رہنے کی قسمیں، ساتھ جینے مرنے کے عہد وپیمان، اور پھر ایک دوسرے میں ڈوب جانے کی اندھی خواہش۔"(۲)

صائمہ کے کردار کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایسے سماجی طبقے کی نمائندگی کرتی ہے جہاں معاشی محرومی، محدود تعلیمی مواقع اور غیر یقینی مستقبل نوجوان لڑکیوں کی نفسیاتی تشکیل پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ دیہی اور نچلے متوسط طبقے کے معاشروں میں آج بھی بہت سی لڑکیوں کی زندگی کے اہم فیصلے ان کی ذاتی خواہشات کے بجائے خاندانی اور سماجی ترجیحات کے مطابق طے کیے جاتے ہیں۔ کم عمری کی شادیاں، تعلیم کے محدود مواقع اور اظہارِ رائے کی عدم آزادی ایسی صورتِ حال پیدا کرتے ہیں جس میں نوجوان لڑکیاں جذباتی وابستگی اور سماجی تحفظ کی متبادل صورتیں تلاش کرنے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات وہ ظاہری کشش، محبت کے اظہار یا بہتر مستقبل کے وعدوں سے جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔

ناول ناتمام میں صائمہ کا کردار اسی سماجی و ثقافتی تبدیلی کی ایک پیچیدہ صورت کو آشکار کرتا ہے۔ ایک طرف وہ روایتی معاشرے کی پیداوار ہے جہاں عورت کی زندگی کے بڑے فیصلے خاندان اور سماجی روایات کے تابع ہیں، جبکہ دوسری طرف وہ جدید معاشرتی اثرات، شخصی آزادی کے تصورات اور جذباتی خودمختاری کی خواہش سے بھی متاثر ہے۔ یہی دوہرا دباؤ اس کے اندر ایک ایسی نفسیاتی کشمکش پیدا کرتا ہے جو اسے جذباتی فیصلوں کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس تناظر میں صائمہ کا کردار محض ایک فرد کی کہانی نہیں رہتا بلکہ ان سماجی حالات کا مظہر بن جاتا ہے جن میں روایت اور جدیدیت کے درمیان موجود خلا نوجوان نسل کے لیے شناختی بحران، جذباتی عدم تحفظ اور غیر یقینی مستقبل کے احساس کو جنم دیتا ہے۔ یوں ناول اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ سماجی و ثقافتی تغیرات کے اثرات سب سے زیادہ اُن طبقات پر مرتب ہوتے ہیں جو معاشی، تعلیمی اور خاندانی سطح پر پہلے ہی عدم استحکام کا شکار ہوں۔

صائمہ اور وسیم کے تعلق کا ایک اہم پہلو ان کے معاشی اور سماجی پس منظر کا تفاوت بھی ہے۔ صائمہ ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جو معاشی محرومی، خاندانی مسائل اور سماجی عدم تحفظ کا شکار ہے، جبکہ وسیم نسبتاً آسودہ اور مستحکم خاندانی ماحول سے وابستہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی عدم مساوات ان کے تعلق میں طاقت کے غیر متوازن رشتے کو جنم دیتی ہے۔ صائمہ جذباتی وابستگی کو مستقل رفاقت اور سماجی تحفظ کا ذریعہ سمجھتی ہے، جبکہ وسیم اس تعلق کی ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اس صورتِ حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماجی و ثقافتی تغیرات کے دور میں محبت اور انسانی تعلقات بھی طبقاتی تفاوت اور معاشی حیثیت کے اثرات سے آزاد نہیں رہے۔ صائمہ کے حاملہ ہونے کے بعد وسیم نے چپکے سے بیرون ملک تعلیم کا منصوبہ بنایا اور فرار ہو گیا۔ صائمہ بے چاری پورے محلے میں بدنام ہو کر گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اگر وہ

مخلص ہوتا تو صائمہ کو بیرون ملک بلاتا مگر اس نے کتنی آسانی سے سب کچھ صائمہ پر ڈال دیا اور حمل ضائع کرنے کا حکم دے یا:

> "صائمہ نے ایک طویل خط وسیم کو لکھا۔ حمل ٹھہرنے کی بات بھی لکھی۔ دو ہفتے بعد جواب آیا۔وہ نئی جگہ اپنی پڑھائی میں بہت مصروف تھا۔ کالج، لائبریری، اوراس کے بعد پورے دن میں کچھ ہی وقت اس کے پاس بچتا۔ سونے اور کھانے کے لیے۔ یہ خط بھی وہ بس میں بیٹھ کر لکھ رہا تھا۔ اس کا آخری پیرا یوں تھا،"۔۔۔۔جانم شادی کے بغیر یہ سب کچھ ٹھیک نہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کتنی بدنامی ہوگی۔ فوراً ابارشن کروالو۔"(۳)

اس واقعے میں مصنف محض دو افراد کے تعلق کو بیان نہیں کرتا بلکہ جدید سماج میں محبت، اعتماد اور ذمہ داری کے بدلتے ہوئے تصورات کو بھی آشکار کرتا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جذباتی اور جسمانی قربت کے مراحل طے کرنے کے بعد وہی مرد کردار اخلاقی حدود اور سماجی اصولوں کی یاد دہانی کرواتا ہے جو پہلے انہی حدود کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش کر تارہا تھا۔ یہ رویّہ دراصل اس دوہرے اخلاقی معیار کی نمائندگی کرتا ہے جو روایتی اور جدید اقدار کے باہمی تصادم سے جنم لیتا ہے۔ ایسے حالات میں عورت اکثر جذباتی وابستگی اور سماجی نتائج کے درمیان تنہا کھڑی رہ جاتی ہے، جبکہ مرد نسبتاً آسانی سے اپنی ذمہ داری سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے مطالعے میں انسانی رویّوں، خصوصاً صنفی اور جنسی رویّوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ رویّے محض حیاتیاتی تقاضوں کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ معاشرتی اقدار، ثقافتی روایات، مذہبی تصورات اور اخلاقی ضابطوں کے زیرِ اثر تشکیل پاتے ہیں۔ ہر معاشرہ اپنی تاریخی اور ثقافتی تشکیل کے مطابق جنسی رویّوں کے لیے مخصوص حدود و قیود متعین کرتا ہے، جن کے ذریعے فرد کے طرزِ عمل کو منظم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاہم جب معاشرہ روایتی اقدار سے جدید طرزِ زندگی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو ان ضابطوں اور عملی رویّوں کے درمیان ایک واضح فاصلہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہی فاصلہ بعض اوقات فرد کے اندر نفسیاتی کشمکش، شناختی بحران اور جذباتی بے یقینی کو جنم دیتا ہے۔

ناول "ناتمام" میں بھی نوجوان نسل کے رویّوں کا مطالعہ اسی تناظر میں اہمیت اختیار کرتا ہے۔ صائمہ اور وسیم کے تعلق کو محض ایک ذاتی یا اخلاقی مسئلے کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ یہ اس وسیع تر سماجی صورتِ حال کی عکاسی کرتا ہے جس میں روایتی اخلاقی اقدار اپنی سابقہ قوت کھوتی جا رہی ہیں جبکہ جدید طرزِ زندگی سے وابستہ تصورات ابھی مکمل طور پر سماجی قبولیت حاصل نہیں کر سکے۔ نتیجتاً فرد ایک ایسی دوہری کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے جہاں خواہشات، سماجی پابندیوں اور اخلاقی تصورات کے درمیان مسلسل کشمکش جاری رہتی ہے۔ یہی کشمکش معاصر شہری معاشرے کے ان ثقافتی تغیرات کی نمائندگی

کرتی ہے جو نوجوان نسل کے طرزِ فکر، باہمی تعلقات اور زندگی کے انتخابوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ اخلاقی ضابطوں کی پابندی اور سماجی قدغنوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گھٹن کے حوالے سے ارشد محمود اپنی کتاب ''ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ''میں لکھتے ہیں:

"معاشرے میں عورت اور مرد کو سماجی لحاظ سے الگ الگ کرنا تہذیب کی توہین اور انسانی وقار کے خلاف ہے۔ مخلوط معاشرے زیادہ شائستہ اور متمدن ہوتے ہیں۔ مخلوط سماج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان مہذب ہے، اس سے جنگلی رویوں کی توقع نہیں ہو سکتی۔ جب کہ مرد وزن کی علیحدگی پر ایمان رکھنے والوں کے تحت الشعور میں میں آج بھی جنگلی انسان بسا ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جونہی مرد وزن کے درمیان سماجی روابط کی اجازت ہوئی، وہ بلا امتیاز جنسی اختلاط میں مشغول ہو جائیں گے۔۔۔ یہ انسان کو انسان نہیں، عورت کو عورت نہیں، مرد کو مرد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو ان کے جنسی اعضا کے حوالوں سے ہی دیکھتے ہیں''۔ (۴)

درج بالا اقتباس معاصر معاشرے میں صنفی تعلقات، سماجی رویّوں اور ثقافتی اقدار کے حوالے سے جاری فکری مباحث کی نمائندگی کرتا ہے۔ درحقیقت جدید معاشروں میں عورت اور مرد کے باہمی تعلقات صرف حیاتیاتی یا انفرادی مسئلہ نہیں رہے بلکہ یہ سماجی ترقی، ثقافتی تشکیل اور انسانی آزادی کے تصورات سے بھی وابستہ ہو چکے ہیں۔ اسی لیے روایت اور جدیدیت کے درمیان جاری کشمکش میں صنفی اختلاط، شخصی آزادی اور سماجی حدود کے مسائل مسلسل بحث کا موضوع بنتے رہے ہیں۔ ایک طرف روایتی معاشرہ سماجی نظم اور اخلاقی استحکام کے نام پر بعض پابندیوں کو ضروری قرار دیتا ہے، جبکہ دوسری طرف جدید معاشرتی فکر انسان کو ایک خود مختار اور ذمہ دار سماجی وجود کے طور پر دیکھنے پر زور دیتی ہے۔

ناول ناتمام کے تناظر میں یہ بحث خاص اہمیت اختیار کر جاتی ہے، کیونکہ ناول کے کردار بھی اسی تہذیبی اور ثقافتی انتقال کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ صائمہ اور وسیم کا تعلق اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جدید شہری ماحول میں عورت اور مرد کے درمیان سماجی روابط کے مواقع پہلے کی نسبت زیادہ بڑھ گئے ہیں، لیکن ان روابط کے بارے میں معاشرتی رویّے ابھی تک یکساں طور پر تبدیل نہیں ہوئے۔ چنانچہ ایک طرف جدید زندگی افراد کو باہمی تعلقات اور شخصی انتخاب کی نئی آزادیوں سے آشنا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف روایتی اقدار اور سماجی نگرانی کا نظام بدستور موجود رہتا ہے۔ یہی تضاد فرد کے رویّوں اور سماجی توقعات کے درمیان کشمکش کو جنم دیتا ہے۔ جنسیات کی پہلی کتاب میں حکیم یوسف حسن ایسے خیالات کو فلموں اور لٹریچر سے جوڑتے ہیں:

"نوجوانو! یاد رکھو کہ صفائی انسانی صحت کے لیے سب سے ضروری چیز ہے صفائی ذہنی اور دماغ کی بھی اور جسم کی بھی ہونی چاہیے۔ذہنی صفائی خیالات کو پاک صاف رکھنا ہے۔گندے خیالات جو بری صحبت، بری کتابوں کے مطالعہ اور بکثرت سینما دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ان سے پورا پورا پرہیز رکھو"۔ (۵)

ذہنی خیالات انسانی جسم کو نہ صرف بنانے بگاڑنے میں معاون ہوتے ہیں بلکہ اس کو سمت دکھانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ حکیم یوسف حسن کا یہ اقتباس اُس سماجی اور اخلاقی فکر کی نمائندگی کرتا ہے جو طویل عرصے تک برصغیر کے روایتی معاشرے میں غالب رہی۔ اس فکر کے مطابق فرد کے اخلاقی رویّوں اور جنسی رجحانات کی تشکیل میں سماجی ماحول، مطالعے کے رجحانات اور تفریحی ذرائع کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ادب، فلم اور دیگر ثقافتی ذرائع کو محض تفریح کا سامان نہیں بلکہ کردار سازی اور سماجی اقدار کی تشکیل کے مؤثر عوامل سمجھا جاتا تھا۔ یہ نقطۂ نظر اس تصور پر قائم ہے کہ فرد کی ذہنی دنیا اور عملی زندگی کے درمیان گہرا تعلق موجود ہے اور ثقافتی ذرائع انسان کے طرزِ فکر کو براہِ راست متاثر کرتے ہیں۔

ناتمام کے سماجی و ثقافتی مطالعے میں یہ اقتباس اس لیے اہم ہو جاتا ہے کہ ناول ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جو روایتی اخلاقی تصورات اور جدید ثقافتی اثرات کے درمیان معلق دکھائی دیتا ہے۔ شہری زندگی، تعلیم، ذرائع ابلاغ اور بدلتے ہوئے سماجی روابط نے نوجوان نسل کے تجربات اور تصورات کو پہلے کی نسبت کہیں زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ تاہم اس تبدیلی کے ساتھ یہ سوال بھی پیدا ہوا ہے کہ نئی معلومات، نئے ثقافتی رجحانات اور شخصی آزادی کے بڑھتے ہوئے امکانات کو سماج کس طرح قبول اور منظم کرتا ہے۔ ناول کے کردار اسی تبدیلی کے دور سے گزر رہے ہیں جہاں روایتی اقدار اپنی سابقہ گرفت برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جبکہ جدید سماجی و ثقافتی اثرات نئی طرزِ فکر کو جنم دے رہے ہیں۔

"لپ سٹک اسے جادو کی چھڑی لگتی تھی، ادھر ہونٹوں پر پھیرو، اُدھر یہ پھول کی طرح کھل جاتے، چہرہ بنجر اور بے رنگ تصویر سے قوسِ قزح کے رنگوں والے منظر میں بدل جاتا۔وہ ہولے ہولے ہونٹوں کو آپس میں چپکاتی، دباتی۔خوب صورت ماڈل کی طرح جسے اس نے ماسی نیاز کے گھر میں ٹی وی کے ایک اشتہار میں دیکھا تھا۔اچھی طرح ہونٹوں کو دبا کر آہستہ آہستہ کھولنا ایسی ادا سے کہ ایک سادہ سی لڑکی، دل موہ لینے والی حسینہ بن جائے، خود اپنے آپ پر فدا ہونے کو جی کرتا اس کا۔یقین نہ ہوتا، یہ وہی تھی

،اندرون لوہاری گیٹ کی تنگ سی گلی میں رہنے والی اور غربت کی گود میں پل
کر جوان ہونے والی یتیم صائمہ۔"(۶)

مذکورہ اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ ناتمام میں سماجی و ثقافتی تغیرات محض خاندانی رشتوں یا اخلاقی اقدار کی تبدیلی تک محدود نہیں بلکہ فرد کی شناخت، طرزِ زندگی اور خود آگہی کے نئے تصورات کو بھی محیط ہیں۔ صائمہ کا آرائشِ حسن اور ظاہری شخصیت کے ذریعے اپنے وجود کو نئے زاویے سے دریافت کرنا اس تبدیلی کی علامت ہے جس میں جدید شہری ثقافت، ذرائع ابلاغ اور اشتہاری نظام فرد کے خوابوں، خواہشات اور سماجی رویّوں کو تشکیل دیتے ہیں۔ میڈیا کے ذریعے پیش کیے جانے والے حسن اور کامیابی کے معیارات نوجوان نسل کو نئی شناخت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں روایتی سماجی شناختیں پس منظر میں چلی جاتی ہیں اور انفرادی تشخص کو زیادہ اہمیت حاصل ہونے لگتی ہے۔ تاہم ناول یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ظاہری تبدیلی اور نئی شناخت کی جستجو فرد کی معاشی محرومیوں، نفسیاتی الجھنوں اور سماجی عدم تحفظ کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکتی، جس کے باعث جدید معاشرے میں فرد ایک مسلسل داخلی کشمکش اور شناختی بحران کا شکار رہتا ہے۔

"اس کا پیشاب خطا ہو گیا تھا اور شاید پاخانہ بھی نکلا تھا۔اس کی شلوار اور قمیص گیلی تھی۔اس نے ایک ہاتھ چارپائی کی پٹی پر ٹکایا ہوا تھا۔۔۔حتیٰ کہ باجی نہا کر غسل خانے سے نکلیں تو ماں کی حالت دیکھ کر لپک کر اس کی طرف گئیں۔کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا اور ہولے ہولے گھسیٹتی ہوئیں غسل خانے تک لائیں۔یہ دیکھ کر صائمہ خاموشی سے اٹھی۔بازو پھیلا کر اس نے تھکاوٹ آمیز انگڑائی لی اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔"(۷)

سماجی و ثقافتی تغیرات کے ایک نہایت حساس پہلو کی نشاندہی کرتا ہے، جس کا تعلق خاندانی رشتوں، اخلاقی ذمہ داریوں اور بدلتے ہوئے معاشرتی رویّوں سے ہے۔ روایتی مشرقی معاشرے میں والدین، بالخصوص بیمار اور ضعیف والدہ کی خدمت کو محض اخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ خاندانی اور ثقافتی اقدار کا بنیادی جزو سمجھا جاتا رہا ہے۔ خاندان اجتماعی ذمہ داری، ایثار اور باہمی تعاون کی علامت ہوتا تھا، جہاں فرد کی ذاتی خواہشات کو اکثر اجتماعی مفاد پر قربان کر دیا جاتا تھا۔ لیکن جدید شہری زندگی، فردیت کے فروغ اور ذاتی ترجیحات کی بڑھتی ہوئی اہمیت نے خاندانی تعلقات کی نوعیت میں نمایاں تبدیلی پیدا کی ہے۔

صائمہ کا اپنی بیمار ماں کی ناگفتہ بہ حالت سے لاتعلق رہنا اور ساری ذمہ داری بڑی بہن پر چھوڑ دینا محض ایک انفرادی رویّہ نہیں بلکہ اس نفسیاتی اور سماجی تبدیلی کی علامت ہے جس میں فرد کی توجہ خاندانی فرائض کے بجائے اپنی ذات، خواہشات اور نجی دلچسپیوں کی طرف منتقل ہوتی جا رہی ہے۔ ناول میں صائمہ کی شخصیت جدید ثقافتی اثرات، ظاہری دلکشی، رومانوی تصورات اور شخصی آزادی کے خوابوں سے زیادہ متاثر دکھائی دیتی ہے، جبکہ ماں کی بیماری، گھریلو ذمہ داریوں اور روایتی خاندانی اقدار سے اس کی وابستگی بتدریج کمزور پڑتی جاتی ہے۔ اس تناظر میں صائمہ کا کردار اس نسل کی نمائندگی کرتا ہے جو ایک طرف جدید ثقافت کے اثرات قبول کر رہی ہے اور دوسری طرف روایتی اخلاقی اور خاندانی ذمہ داریوں سے فاصلہ اختیار کرتی جا رہی ہے۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے حوالے سے یہ منظر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ جدیدیت کا اثر صرف لباس، زبان، ذرائع ابلاغ یا طرزِ زندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی رشتوں اور اخلاقی ترجیحات کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ناول نگار یہاں ایک ایسے معاشرتی المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں خاندان جیسا مضبوط ادارہ بھی فردیت، مصروفیت اور جذباتی لاتعلقی کے دباؤ کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ یوں صائمہ کا یہ رویّہ خاندانی بندھنوں کی کمزور ہوتی بنیادوں اور روایتی سماجی اقدار کے تدریجی زوال کی ایک معنی خیز علامت بن کر سامنے آتا ہے، جو ناول کے مرکزی موضوع یعنی سماجی و ثقافتی تغیرات کو مؤثر انداز میں آشکار کرتا ہے۔

> "نرسنگ انسٹی ٹیوٹ کے ہاسٹل میں منتقل ہوگئی۔ باجی نے اسے اٹیچی کیس اور بیگ اٹھائے جاتے ہوئے دیکھا۔ لیکن خاموشی سے منہ پرے پھیر لیا۔ زمانہ پانی جیسا ہوتا ہے۔ کسی کے جانے سے کوئی دڑار، کوئی خلا پیدا نہیں ہوتا، فوراً اپنے آپ ہی ہر جگہ بھر دیتا ہے۔ لیکن صائمہ کا خاموشی سے منظر سے ہٹ جانا، پتھر میں رخنے جیسا واقعہ تھا۔ اپنے آپ تو کیا بھرتا، جس کے جی میں جو آیا اس میں شامل کیا اور یوں اس خلا کو بھرا۔"(۸)

صائمہ کا گھر سے نکل کر نرسنگ انسٹی ٹیوٹ کے ہاسٹل میں منتقل ہو جانا ناول میں سماجی و ثقافتی تغیرات کی ایک اہم علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ روایتی معاشرے میں خاندان فرد کی شناخت، تحفظ اور سماجی وابستگی کا بنیادی مرکز سمجھا جاتا تھا، خصوصاً عورت کی زندگی کو گھر اور خاندان کے دائرے میں ہی محفوظ اور باوقار تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن جدید شہری معاشرے میں تعلیم، روزگار اور ذاتی خودمختاری کے بڑھتے ہوئے مواقع نے عورت کے کردار اور سماجی مقام میں نمایاں تبدیلی پیدا کی ہے۔ صائمہ کا ہاسٹل منتقل ہونا اسی تبدیلی کا اظہار ہے، جہاں ایک نوجوان لڑکی خاندانی دائرے سے نکل کر اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

تاہم ناول نگار اس تبدیلی کو محض آزادی یا خود مختاری کے مثبت استعارے کے طور پر پیش نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ جڑے ہوئے نفسیاتی اور سماجی نتائج کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ باجی کا خاموش رہنا اور صائمہ کا بغیر کسی جذباتی مکالمے کے گھر سے رخصت ہو جانا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خاندانی رشتوں میں موجود جذباتی وابستگی اور باہمی قربت کمزور پڑ چکی ہے۔ جدید زندگی کی تیز رفتاری اور فردیت کے بڑھتے ہوئے رجحان نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جہاں افراد ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہونے کے باوجود جذباتی طور پر دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں گھر سے رخصتی کا یہ منظر محض ایک مکانی تبدیلی نہیں بلکہ تعلقات کی بدلتی ہوئی نوعیت کا استعارہ بن جاتا ہے۔

مصنف کا یہ کہنا کہ "زمانہ پانی جیسا ہوتا ہے" دراصل معاصر شہری معاشرے کی اسی بے حسی اور عارضی پن کی علامت ہے جس میں افراد کی موجودگی یا عدم موجودگی سے زندگی کا بہاؤ رکنے کے بجائے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن صائمہ کے جانے کے بعد پیدا ہونے والا خلا اس حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے کہ انسانی رشتے مکمل طور پر بے معنی نہیں ہوئے؛ ان کی جگہ اگرچہ افواہیں، قیاس آرائیاں اور سماجی تعبیرات لے لیتی ہیں، مگر جذباتی سطح پر ایک فقدان باقی رہتا ہے۔ یوں یہ اقتباس خاندانی بندھنوں کی کمزور ہوتی بنیادوں، عورت کی بدلتی ہوئی سماجی حیثیت، فردیت کے فروغ اور شہری زندگی میں بڑھتی ہوئی جذباتی لاتعلقی کو ایک ساتھ سمیٹ لیتا ہے۔ اس اعتبار سے صائمہ کا گھر چھوڑنا صرف ایک شخصی فیصلہ نہیں بلکہ معاصر معاشرے میں رونما ہونے والے سماجی و ثقافتی تغیرات کی ایک بامعنی علامت بن جاتا ہے۔

> "اندرون شہر گھر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک دوسرے کا سہارا لیے ہوئے ہوں۔ جیسے ایک دوسرے کا جواز ہوں۔ سر جوڑے کوئی گہری سازش رہے ہوں۔ ایک گھر میں کوئی کھانسے بھی تو برابر کے گھر میں صاف سنائی دیتا ہے۔ ماں کی چیخ چیخ محلے والے سنتے لیکن کوئی اس پر کان نہ دھرتا۔"(۹)

صائمہ کی ماں کی چیخ و پکار کا پورے محلے میں سنائی دینا مگر کسی کا توجہ نہ دینا اس اجتماعی بے حسی کی علامت ہے جو معاصر شہری معاشرے کا نمایاں وصف بنتی جا رہی ہے۔ روایتی معاشرتی نظام میں محلہ محض رہائش کی جگہ نہیں بلکہ ایک فعال سماجی اکائی ہوا کرتا تھا جہاں لوگوں کے دکھ سکھ مشترک سمجھے جاتے تھے۔ بیمار، بیوہ یا مجبور افراد کی خبر گیری اور مدد کو سماجی ذمہ داری تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن ناتمام میں یہ اجتماعی احساس کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی لاتعلقی نے لے لی ہے جس میں لوگ دوسروں کے مسائل سے آگاہ ہونے کے باوجود خود کو ان سے غیر متعلق سمجھتے ہیں۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں یہ منظر اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ جدید شہری معاشرہ بظاہر افراد کو قریب لاتا ہے، مگر عملی طور پر انہیں ایک دوسرے سے دور بھی کر دیتا ہے۔ معاشی جدوجہد، شخصی مصروفیات اور فردیت کے بڑھتے

ہوئے رجحانات نے اجتماعی زندگی کے روایتی تصورات کو متاثر کیا ہے۔ چنانچہ ناول میں محلے کا یہ منظر صرف ایک خاندان کی تنہائی کی تصویر نہیں بلکہ اس وسیع تر سماجی تبدیلی کا استعارہ ہے جس میں انسانوں کے درمیان موجود مادی قربت جذباتی قربت میں تبدیل نہیں ہو پاتی۔ یہی بے حسی، لاتعلقی اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس کا زوال ناتمام میں سماجی و ثقافتی تغیرات کے اہم مظاہر کے طور پر سامنے آتا ہے۔

"ڈاکٹر صاحب کی بیوی مال دار عورت تھی۔ جب کہ خود وہ مڈل کلاس سے ترقی کر کے یہاں تک پہنچے۔ ہسپتال میں سب سے زیادہ شیئرز ان کی بیوی ہی کے تھے۔ ڈریس ڈیزائننگ کا ایک ادارہ بھی اس کی ملکیت تھا۔ ان سے زیادہ مصروف رہتی۔ دن بھر اپنے ادارے میں اور شام کو گٹ ٹوگیدر قسم کی پارٹیوں، سوشل ورک۔ پبلک ریلیشنگ کی مصروفیت۔ گھر کے لیے اور ڈاکٹر صاحب کے وقت ہی کہاں بچتا تھا۔"(۱۰)

ڈاکٹر وقاص اور ان کی اہلیہ کے تعلقات کی یہ جھلک ناتمام میں شہری زندگی کی بے حسی، خاندانی رشتوں کی بدلتی ہوئی نوعیت اور جدید معاشرتی اقدار کے تغیر کو نمایاں کرتی ہے۔ بظاہر یہ ایک کامیاب، تعلیم یافتہ اور معاشی طور پر مستحکم گھرانے کی تصویر ہے، لیکن اس ظاہری آسودگی کے پسِ پردہ جذباتی فاصلے اور رشتوں کی کمزور ہوتی بنیادیں واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ناول نگار اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جدید شہری معاشرے میں معاشی ترقی، پیشہ ورانہ کامیابی اور سماجی مقام ہمیشہ خاندانی سکون، جذباتی وابستگی اور باہمی اطمینان کی ضمانت نہیں بنتے۔

معاصر سماجی تنقید میں یہ نکتہ بارہا زیرِ بحث آیا ہے کہ جدید شہری زندگی نے انسان کو مادی آسائشیں تو فراہم کی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وقت کی قلت، مسلسل مصروفیت اور تعلقات کی سطحیت جیسے مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ ڈاکٹر وقاص کی بیوی کی مصروفیات محض ایک فرد کی نجی ترجیحات نہیں بلکہ اس نئے شہری کلچر کی نمائندگی کرتی ہیں جہاں سماجی حیثیت، پیشہ ورانہ شناخت، نیٹ ورکنگ اور عوامی سرگرمیاں خاندانی تعلقات پر فوقیت حاصل کرنے لگتی ہیں۔ نتیجتاً گھر ایک جذباتی پناہ گاہ کے بجائے محض ایک رہائشی جگہ میں تبدیل ہونے لگتا ہے اور میاں بیوی کے درمیان قربت کی جگہ رسمی تعلقات لے لیتے ہیں۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں یہ اقتباس اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جدیدیت نے عورت اور مرد دونوں کے سماجی کرداروں کو نئی جہتیں عطا کی ہیں۔ عورت کی معاشی خودمختاری اور پیشہ ورانہ سرگرمیاں یقیناً ایک مثبت سماجی تبدیلی ہیں، لیکن ناول یہ سوال بھی اٹھاتا ہے کہ جب معاشی اور سماجی کامیابی انسانی رشتوں، جذباتی وابستگی اور خاندانی ہم آہنگی کی قیمت پر حاصل ہونے لگے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر وقاص کی زندگی میں موجود تنہائی اور جذباتی خلا اسی حقیقت کی

علامت ہے کہ شہری معاشرے میں تعلیم، دولت اور سماجی مرتبے کی فراوانی کے باوجود انسان داخلی طور پر تنہائی، عدم اطمینان اور تعلقات کے بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔ صرف ڈاکٹر وقاص ہی اپنی اہلیہ کی وجہ سے ذہنی سکون نہیں کھوتے بلکہ کلثوم بھی اپنے سسرال اور شوہر کی بے رخی کی وجہ سے ذہنی سکون کھو کر نشے تک کی عادی بن جاتی ہے:

> "تو کیا کرتی رہی۔ کلثوم نے اپنے پرس سے چرس کی سیاہ ڈلی نکالتے ہوئے کہا۔ صائمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کلثوم نے دو سگریٹ ہتھیلی پر کھولے۔ جب وہ سگریٹ منہ میں ڈالے اسے ماچس کی تیلی سے شعلہ دکھا رہی تھی، تو صائمہ نے دیکھا کلثوم کی آنکھیں سرخ تھیں۔ یہ نشے کی سرخی نہیں تھی۔"(۱۱)

کلثوم کا کردار ناتمام میں جدید شہری زندگی کے اُن تاریک پہلوؤں کو آشکار کرتا ہے جو خاندانی انتشار، جذباتی محرومی اور سماجی تنہائی کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں۔ شوہر کی بے رخی، ازدواجی تعلق کے خاتمے اور اولاد سے محرومی نے کلثوم کو ایسی نفسیاتی شکست سے دوچار کر دیا ہے جس کا ازالہ وہ نشے کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اقتباس میں چرس کا استعمال محض ایک انفرادی کمزوری یا اخلاقی لغزش نہیں بلکہ اس گہرے داخلی کرب اور جذباتی خلا کی علامت ہے جس سے جدید معاشرے کا فرد گزر رہا ہے۔ مصنف نے بڑی باریک بینی سے یہ واضح کیا ہے کہ کلثوم کی آنکھوں کی سرخی نشے کی نہیں بلکہ دکھ، محرومی اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی سرخی ہے۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں یہ منظر خاندانی ادارے کی کمزور ہوتی ہوئی بنیادوں اور انسانی تعلقات کے بحران کی نشاندہی کرتا ہے۔ روایتی معاشرے میں خاندان فرد کے لیے جذباتی تحفظ، سماجی شناخت اور نفسیاتی سہارا فراہم کرتا تھا، لیکن جدید شہری زندگی میں جب یہ ادارہ اپنی معاونت اور استحکام کھو دیتا ہے تو فرد تنہائی، بے معنویت اور احساسِ محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کلثوم کی زندگی اسی حقیقت کی عکاس ہے کہ طلاق، اولاد سے جدائی اور رشتوں کی شکست صرف قانونی یا سماجی واقعات نہیں بلکہ ایسے نفسیاتی صدمات ہیں جو فرد کی پوری شخصیت کو متاثر کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر وقاص کی وفات کے بعد شہری زندگی میں خاندانی دائرے کی غیر موجودگی میں صائمہ کی حالت دیکھیے:

> "چار دن بعد وہ بستر سے اٹھی تو اسے اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ جیسے وہ کسی طرح کے خالی پن سے بھر گئی ہو۔ فلیٹ میں بہت دنوں کی گرد جمی ہوئی تھی اور وہاں کسی کے نہ رہنے کا گمان ہوتا تھا جو اسے بہت عجیب لگا اور یہ احساس بجائے خود اتنا عجیب تھا کہ وہ ٹھٹھک گئی۔"(۱۲)

درج بالا اقتباس ''ناتمام'' کے فکری اور معنوی سفر کا ایک نہایت اہم موڑ ہے جہاں صائمہ کی ذاتی تنہائی دراصل معاصر شہری معاشرے کے اجتماعی المیے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر وقاص کی وفات کے بعد صائمہ جس خالی پن، ویرانی اور بے معنویت کا سامنا کرتی ہے، وہ محض ایک محبوب یا سہارا کھو دینے کا دکھ نہیں بلکہ اس سماجی صورتِ حال کی علامت ہے جس میں فرد خاندانی تحفظ، اجتماعی وابستگی اور پائیدار انسانی رشتوں سے محروم ہو کر اپنی ذات کے حصار میں قید ہو جاتا ہے۔فلیٹ کی گرد آلود خاموشی اور ویرانی دراصل اس داخلی ویرانی کا استعارہ بن جاتی ہے جو جدید شہری زندگی میں بے شمار افراد کا مقدر بنتی جارہی ہے۔

سماجی و ثقافتی تغیرات کے تناظر میں دیکھا جائے تو صائمہ کا انجام اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ جب خاندانی رشتے کمزور پڑ جائیں، اجتماعی اقدار اپنی قوت کھو دیں اور انسانی تعلقات عارضی اور غیر مستحکم ہو جائیں تو فرد شدید تنہائی، شناختی بحران اور وجودی بے معنویت کا شکار ہو جاتا ہے۔یوں ناتمام صرف صائمہ کی داستان نہیں بلکہ اس جدید شہری معاشرے کی ایک گہری تنقید ہے جہاں مادی ترقی، شخصی آزادی اور سماجی تبدیلی کے باوجود انسان جذباتی آسودگی، تعلق اور معنویت کی تلاش میں مسلسل سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد عاصم بٹ، ناتمام، لاہور: سنگ میل پبلیکشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۵۹

۲۔ ایضاً، ص:۶۱

۳۔ ایضاً، ص:۷۵

۴۔ ارشد محمود، ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ، کراچی: علمی گرافکس، ۲۰۰۹ء، ص:۱۶

۵۔ یوسف حسن، حکیم، جنسیات کی پہلی کتاب، دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص:۱۴

۶۔ محمد عاصم بٹ، ناتمام، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۱۵

۷۔ ایضاً، ص:۳۹۔۴۰

۸۔ ایضاً، ص:۸۹

۹۔ ایضاً، ص:۴۰۔۴۱

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۴

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۲۸

۱۲۔ محمد عاصم بٹ، ناتمام، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۱۵۱

References:

1. Muhammad Asim Butt, Natamam, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014, p. 59.
2. Ibid., p. 61.
3. Ibid., p. 75.
4. Arshad Mahmood, Saqafati Ghutan aur Pakistani Muashra, Karachi: Ilmi Graphics, 2009, p. 16.
5. Yusuf Hasan Hakim, Jinsiyat ki Pehli Kitab, Delhi: Aijaz Publishing House, n.d., p. 14.
6. Muhammad Asim Butt, Natamam, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014, p. 15.
7. Ibid., pp. 39–40.
8. Ibid., p. 89.
9. Ibid., pp. 40–41.
10. Ibid., p. 94.
11. Ibid., p. 128.
12. Muhammad Asim Butt, Natamam, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014, p. 151